مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶	جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ / اپریل ۲۰۱۵ء	شمارہ ۴

الجناح

ناجائز کاموں میں افراط و تفریط کا حکم

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = ۲۰/ روپے   زرِ سالانہ = ۲۰۰/ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

(الجناح)

ناجائز کاموں میں افراط وتفریط کا حکم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	مقصود وعظ	۸
۳	قصد معتبر	۹
۴	اقتداء مریض	۱۰
۵	مضرت گناہ	۱۱
۶	مباح میں غلطی	۱۲
۷	استنباط رحمت	۱۳
۸	مدار کمال تقویٰ	۱۴
۹	ترجیح عقل	۱۵
۱۰	جزا میں تشبہ	۱۸
۱۱	رہزن طریق	۱۹

۱۲	تجاوز عن الحدود	۲۱
۱۳	حدود خوف وشوق	۲۲
۱۴	فساد اعتقاد	۲۴
۱۵	استحضار معاصی کا اثر بد	۲۵
۱۶	طالب کا مذہب	۲۷
۱۷	محققین کے علوم	۲۹
۱۸	تدبیر ترک معاصی	۳۱
۱۹	حسن تربیت	۳۱
۲۰	دفع ہجوم گناہ	۳۳
۲۱	طرز تربیت قرآن مجید	۳۶

وعظ

(الجناح)

ناجائز کاموں میں افراط وتفریط کا حکم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۶ صفر سنہ ۱۳۳۲ھ کو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں بعض اہل علم مہمانوں کی درخواست پر ۲ گھنٹہ بیس منٹ تک کھڑے ہوکر بیان فرمایا۔ مولانا عبداللہ صاحب مرحوم نے اسے قلم بند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ساٹھ تھی۔ زیادہ تر مجمع اہل علم کا تھا موضوع تھا گناہ میں افراط وتفریط سے بچنا چاہئے تفریط تو یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب پر شرمندگی ہی نہ ہو اور توبہ کی طرف توجہ ہی نہ ہو اور افراط یہ ہے کہ گناہ سے اسقدر متاثر ہو کہ اپنے آپ کو مردود سمجھنے لگے اور یہ خیال ہوجائے کہ اب میرا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا کیونکہ اس گناہ کے ارتکاب کے سبب میں مردود عنداللہ ہوگیا ہوں یہ بھی ایک مرض ہے جو بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ بن سکتا ہے اس لئے اس کے علاج کو تفصیل سے ذکر فرمایا۔ مجمع میں اکثر اہل علم حضرات تھے اس لئے مضمون دقیق ہے لیکن انتہائی مفید ہے اس لئے طبع کردیا گیا ہے اس سے قبل ایک وعظ المباح بیان فرمایا تھا جس میں مباح (جائز) کاموں میں افراط وتفریط کا حکم بیان کیا تھا۔ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور سے اکتوبر ۲۰۱۱ء میں طبع ہوچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ﴾(۱)

''یقیناً تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑے حلم والے ہیں''

تمہید

قبل بیان کہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس وقت موقع تو بیان کا نہ تھا اس لئے کہ مخاطب سب اہل علم ہیں ایسے حضرات کے سامنے کچھ عرض کرنے سے خود طبیعت رکتی ہے لیکن چونکہ یہ حضرات اہل محبت بھی ہیں اور ان کی طرف سے فرمائش

(۱) آل عمران: ۱۵۵۔

کی گئی ہے اس لئے اس جرأت کو گوارا کیا اور کچھ تکلف نہیں کیا گیا۔

جو مضمون میں اس وقت عرض کروں گا گو مختصر ہوگا لیکن مفید بہت ہوگا۔ اس لئے اس کے اختصار کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور وہ اگرچہ مکررات وملحقات کے ملانے سے طویل ہوگا لیکن بعد حذف زوائد کے اصل مضمون مختصر ہی رہے گا مگر انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔

مقصود وعظ

جو آیت میں نے پڑھی ہے مجھ کو اس وقت اس کی تفسیر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے اپنا مضمون موعود مستنبط کرنا منظور ہے(۱) اور وہ مضمون مفید ہونے کے علاوہ ضروری بھی ہے اس کی عملی ضرورت ہے، وہ صرف کوئی لذیذ مضمون یا علمی ہی نہیں ہے، اس لئے کہ لذیذ اور علمی مضامین تو بہت سے ہیں اور ان سے سوائے اس کے کہ لذت اور فرحت ہو بالذات کوئی نفع نہیں ہے۔ اگرچہ بواسطہ کسی نفع کی طرف مفضی ہو جاویں(۲) میری نظر ہمیشہ اس پر رہتی ہے کہ مضمون وعظ کا ضروری ہو لذیذ ہو یا پھیکا اور طلبہ کو خالی علمی نفع ہو یا نہ ہو، اور وعظ کو میں معالجہ امراض ظاہرہ پر قیاس کیا کرتا ہوں تو مریض کو بجائے اس کے کہ گانا سنایا جائے یا کوئی غزل سنائی جائے یا اقلیدس کے اشکال اس کے سامنے حل کی جائیں اس کے لئے تو مفید حکیم محمود خان کا تلخ نسخہ ہے۔ حضرات ہم سب مریض ہی نہیں سرتاسر مرض ہیں(۳) اگر ایک مرض ہوتا تو خیر اسی کی فکر ہوتی ہماری حالت تو یہ ہے ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''(۴) ہماری یہ حالت کہ ہمارے کان، آنکھ قلب شکم(۵) ہاتھ پاؤں سب ہی مریض ہیں۔

(۱) جس مضمون کا میں نے وعدہ کیا ہے اس کا استنباط مقصود ہے (۲) نفع حاصل ہو جائے (۳) سراسر مرض میں ڈوبے ہوئے ہیں (۴) پورا جسم ہی زخمی ہے پھائے کہاں کہاں رکھے جائیں (۵) دل و پیٹ۔

قصد معتبر

اور پھر ان سب امراض کا معدن (۱) قلب ہے اصل مرض اسی میں ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ قلب ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مدار گناہ اور ثواب کا قصد (۲) پر ہے اور یہ فعل قلب کا ہے (۳) چونکہ مدار قصد پر ہے تو اگر افعال میں اتحاد بھی ہو لیکن قصد میں اختلاف ہو تو ان کے آثار بھی مختلف ہو جاویں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے: (رفع القلم عن ثلٰث عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبیّ حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق او کما قال) (۴) ''تین اشخاص مرفوع القلم ہیں سو جانے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک جوان نہ ہو جائے اور مجنوں جب تک اسے افاقہ نہ ہو جائے''

دیکھئے! یہ تینوں جو مرفوع القلم ہیں حالانکہ افعال کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو مکلفین سے جیسے بعض جرائم صادر ہوتے ہیں ان سے بھی ہوتے ہیں۔ تو وجہ اس کی یہی ہے کہ ان میں قصد معتبر جرم کا نہیں ہے (۵)۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اگر آدمی سے معصیت کے افعال بھی صادر ہوں لیکن ان سے قلب کا تعلق نہ ہو تو وہ گناہ نہیں ہوں گے۔ معصیت کا لکھا جانا صرف قلب کی مشارکت (۶) سے ہوگا۔ اسی طرح طاعت کا بھی اگر قصد نہ ہو تو وہ بھی نہیں لکھی جاتی۔ چنانچہ نائم اور مجنوں کی اطاعت کا تو بالکل اعتبار نہیں ہے باقی نابالغ جبکہ وہ ممیّز ہو (۷) اس کی اطاعت

(۱) سرچشمہ (۲) ارادے (۳) یہ دل کا کام ہے (۴) سنن ابی داؤد: ۴۳۹۸ (۵) ان میں ایسا ارادہ نہیں پایا جاتا ہے جس کے سبب اس فعل کو جرم قرار دیا جائے (۶) دل کی شرکت کے ساتھ (۷) اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہو۔

میں گو اختلاف ہے کہ ثواب کس کو ملتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماں باپ کو ملتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اسی کو ملتا ہے لیکن خود یہ اختلاف ہی اس کا مشعر(۱) ہے کہ اس کی طاعت اس درجہ کی نہیں ہے جیسی مکلّف کی ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے قصد میں بھی اختلال ہے(۲) اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ اگر نابالغی کی حالت میں انتقال کر جاتے اور (جمہور کے مذہب کے موافق) بلا مواخذہ جنت میں داخل ہوتے۔ آپ اس حالت کو پسند فرماتے ہیں یا بالغ ہوکر خطرہ اور تردد میں پڑنے کو پسند فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ میں بالغ ہوکر تردد میں واقع ہونے کو پسند کرتا ہوں اس لئے کہ گو یہ خطرہ اور تردد کی حالت ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی معرفت کی دولت تو نصیب ہوئی اور بچپن میں اس دولت سے محروم رہتا حالانکہ تمیز کے بعد نفس معرفت تو ہوتی ہے لیکن چونکہ اس میں ایک گونہ کمی ضرور ہے اس لئے اس کو معتد بہ(۳) نہیں سمجھا اور زمان صبا(۴) کو اس سے خالی قرار دیا۔ غرض صبی کے افعال اس درجہ کے معتد بہ نہیں ہوئے(۵) کہ قانون کی رو سے وہ اجر یا وزر(۶) کا مستحق ہوتا باقی بلا قصد کوئی انعام سرکاری مل جاوے وہ دوسری بات ہے اور وزر(۷) تو بالکل ہی نہیں۔

اقتداء مریض

یہی راز ہے اس میں کہ صبی کی (۸) اقتداء محققین کے نزدیک تراویح میں بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ نوافل صبی ضعیف (۹) ہیں چنانچہ اگر شروع کر کے فاسد کر دے تو قضا نہیں ہے اور بالغ کے ذمہ قضا ہے۔ بہر حال مقصود میرا یہ ہے کہ

(۱) اس اختلاف ہونے سے ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے (۲) خلل ہے (۳) قابل اعتبار (۴) بچپن کو (۵) بچے کے افعال کا اعتبار نہیں (۶) ثواب یا عقاب کا (۷) گناہ (۸) نابالغ بچے کو امام بنانا (۹) بچوں کی نوافل کا درجہ کم ہے۔

بدوں قصد کے کوئی فعل معتبر نہیں ہے اور قصد قلب کے متعلق ہے(۱) اور وہ ہے مریض۔اس لئے ہمارے تمام افعال فریق اور قابل اصلاح ہیں اور سرتاسر مرض ہوئے تو مریض کو بجائے اس کے مفرحات تلذذات(۲) دیئے جاویں اس کو تو مسہلات اور مخرجات اور رادعات(۳) دینی چاہئیں اس لئے میں علمی اور لذیذ مضمون کو قصداً کبھی بیان نہیں کرتا، امراض کے معالجہ کو مقدم سمجھا کرتا ہوں،اس وقت بھی ایسا ہی ایک ضروری مضمون خیال میں آیا ہے اس کو عرض کیا جاتا ہے۔

مضرت گناہ

وہ یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جیسے ہر وقت خطا ہوتی رہتی ہے، کوئی وقت اس سے خالی نہیں گزرتا۔ چنانچہ اس حدیث میں آیا ہے(کل بنی آدم خطاءٌ وخیر الخطائین التوابون)(۴) یعنی جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سب بہت خطا کار ہو اور بہتر خطا کرنے والے توبہ کرنے والے ہیں۔اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے، اول تو یہ کہ ہم بہت خطا کرنے والے ہیں دوسرے یہ کہ ہمارا معاملہ معصیت(۵) کے ساتھ یہ ہونا چاہیے کہ جب ہوجائے تو فوراً توبہ کرلیں۔ پس خطا ہونا عجیب نہیں لیکن ساتھ ساتھ توبہ بھی ہوتی رہی تو معافی بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔تو اگرچہ اس معاملہ میں بھی ہم سے کوتاہی ہوتی ہے اور یہ بھی قابل اصلاح ہے کہ جب گناہ ہوتا ہے۔توبہ نہیں کرتے لیکن تاہم اس کی طرف التفات تو ہے اور گناہ کو مضر اور توبہ کو ضروری تو جانتے ہیں۔ اگرچہ تفصیلاً گناہ کے مضرتوں کا استحضار نہیں ہے(۶) لیکن تاہم اتنا تو ضرور اجمالاً اعتقاد ہے کہ گناہ مضر ہے

(۱) بلا ارادہ فعل کا اعتبار نہیں اور ارادے کا تعلق دل سے ہے(۲) لذیذ اور مفرح غذا دی جائے (۳) اس کو تو ایسی دوا دی جائے جس سے دست آکر فاسد مادہ خارج ہوجائے(۴) سنن الترمذی:۲۴۹۹، الدرالمنثور:۴/۹۱،بلفظ کل ابن آدم خطاء الخ)(۵) گناہ(۶) گناہ کے نقصانات پیش نظر نہیں۔

لیکن اس سے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان اور قابل توجہ گناہ کے ساتھ وہ معاملہ ہے جس کی طرف عوام تو کیا خواص کا بھی ذہن نہیں منتقل ہوتا مجھ کو اس وقت وہی بیان کرنا ہے۔

مباح میں غلطی

مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایک وعظ مباح (۱) کے متعلق بیان کیا ہے اور اس کا محکوم علیہ مباح (۲) تھا۔ یہ آج کا مضمون جناح (۳) کے متعلق ہے اور اس کا مقابل ہے مباح۔ مباح کے متعلق میں نے یہ بیان کیا تھا کہ مباح کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس میں دو غلطیاں ہوتی ہیں ایک افراطی دوسری تفریطی (۴) افراطی غلطی تو یہ ہے کہ مباح کے ہر درجہ کو مباح سمجھ کر تمام درجات طے کر جاتے ہیں، کسی درجہ پر جا کر رکتے نہیں حالانکہ بعض درجے مباح کے ایسے ہیں کہ وہاں پہنچ کر آدمی محرم سے بچ نہیں سکتا۔ (۵) جیسے کھیت کے چاروں طرف کی ڈول بھی مباح المشی ہے (۶) لیکن اس پر مویشی کو (۷) نہ چلانا چاہیے اس لئے کہ اس کے قریب کھیت ہے اس میں چرنے لگنے کا قوی احتمال ہے اور کسی کے کھیت میں مویشی کا چرانا حرام ہے (۸) ایسے مباحات کا ایک درجہ وہ ہے کہ محرم سے ملا ہوا ہے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں جا کر پھر محرم سے بچنے کی سعی (۹) کرنے میں آدمی ناکام رہتا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ بس مباح میں اس قدر توسع کرنا کہ کسی درجہ میں نہ رکے یہ مناسب نہیں ہے۔

---

(۱) جائز کاموں کے بارے میں (۲) اس میں جائز کاموں کے احکام بتائے تھے (۳) ناجائز کاموں کے متعلق بیان ہوگا جو مباح کا مقابل ہے (۴) ایک کمی کی ایک زیادتی کی (۵) حرام کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتا (۶) کھیت کی ڈول پر چلنا بھی جائز ہے (۷) جانور (۸) جانور کو دوسرے کے کھیت میں چرانا حرام ہے (۹) حرام سے بچنے کی کوشش میں۔

استنباط رحمت

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کو حکم ہوا تھا ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾(۱) یعنی اس درخت کے قریب مت جاؤ حالانکہ منہی عنہ اکل شجرہ ہے(۲) لیکن منع کیا گیا اس کے پاس جانے سے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نہایت رحیم وکریم ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب پاس جاویں گے تو پھر رکنا دشوار ہے اس لئے پاس جانے سے ہی روک دیا جیسے بچے کو شفیق باپ کہتا ہے کہ دیکھو بیٹا چولہے کے پاس نہ جانا حالانکہ جانتا ہے کہ چولہے کے پاس جانا کچھ مضر نہیں لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتا ہے کہ پاس جا کر بچنا مشکل ہے اس لئے روکتا ہے۔ اس سے بندوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اکثر لوگ آیات رحمت میں سے مثل ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾(۳) ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو'' اور ﴿اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾(۴) ''بے شک وہ بڑا بخشنے والا بے حد مہربان ہے'' سے حق تعالیٰ کی رحمت کا استنباط کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کا ہر امر اور ہر نہی رحمت ہے اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ تقلیداً کہتا ہوں۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ رحمت کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم مقررہ معیاد کے لئے قرض دیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو'' دیکھئے بظاہر اس میں کہیں رحمت کا مضمون نہیں ہے لیکن بقول ان بزرگ کے اس سے بڑی رحمت نکلتی ہے۔ بات یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ جس شان کا کوئی شخص ہوتا ہے طبعاً اس شان کے امور کی طرف اس کی توجہ ہوتی ہے اپنی شان سے کم امور کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور اسی طرح جس درجہ کا حاکم ہوتا

(۱) اعراف:۱۹ (۲) حالانکہ ممانعت درخت کھانے کی ہے (۳) زمر:۵۳ (۴) زمر:۵۳۔

ہے رعایا کے اسی درجہ کے امور اس کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ یعنی بادشاہ کی نظر امور عظام (۱) کی طرف ہوگی اور امور جزئیہ کی طرف نہ ہوگی۔ وعلی ہذا (۲) جب یہ بات سمجھ میں آ گئی اب دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ کا باوجود اتنے بڑے غنی الذات اور علی الصفات ہونے کے پھر ہمارے ایک جزئی معاملہ کی طرف توجہ فرمانا یہ کس قدر ان کی غایت رحمت ورافت (۳) پر دال ہے۔ اس لئے اس کو آیت رحمت ان بزرگ نے قرار دیا۔ پس اسی طرح ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی اپنے بندوں پر غایت درجہ کی رحمت ہے اور آدم علیہ السلام کی تخصیص نہیں۔ بہت جگہ تمام بندوں کو خطاب کر کے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں پس ان کے قریب نہ پھٹکنا'' اور کہیں یہ بھی اصل کے موافق فرمادیا ﴿فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ﴾ کہ مباح میں توسع کرنا یہ تو افراط ہے اور ایک درجہ مباح کے اندر تفریط کا ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے اندر تنگی کرنے لگے اور اس سے متمتع نہ ہو۔ (۴) یہ زہد خشک ہے یہ بھی برا ہے۔ یہ مضمون میں نے مباح کے متعلق بیان کیا تھا۔

مدار کمال تقویٰ

اب میں اسی تفصیل کے ساتھ اس کے مقابل جناح کے اندر یہی مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پس جاننا چاہیے کہ مباح کی طرح جناح کے ساتھ بھی ہمارا معاملہ دو قسم کا ہے ایک کو افراط کہہ سکتے ہیں گو یہاں افراط اس رنگ کا نہیں جیسا مباح میں تھا وہاں تو افراط سے مراد یہ تھی کہ اس کے ارتکاب میں توسع کرنا اور یہاں یہ مراد ہے کہ صدور معصیت (۵) سے جتنا متاثر ہونا چاہیے اس سے زیادہ

(۱) بڑے بڑے کاموں کی طرف (۲) اسی طرح (۳) رحمت وشفقت (۴) فائدہ نہ اٹھائے (۵) گناہ سرزد ہونے کی بنا پر بہت زیادہ غم زدہ ہونا۔

متاثر و مغموم ہونا اور ایک کو تفریط (۱) کہنا چاہیے اور اس وقت بیان کرنا افراط ہی کے درجہ کا منظور ہے۔ تفریط کا بیان کرنا مقصود نہیں اگرچہ تفریط میں بھی ہم لوگ مبتلا ہیں کہ بعض کو فعلاً ہی گناہ سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے اور بعض کو فعلاً تو اہتمام ہے لیکن حالاً گناہ سے نہیں بچتے یعنی جس درجہ گناہ سے مسلمان کو اہتمام ہونا چاہیے اس درجہ کا نہیں۔ چنانچہ جیسے نفرت طبعی پیشاب و پاخانہ سے ہے ایسی نفرت گناہ سے نہیں ہے۔ گو اعتقاداً تو نفرت ہے لیکن طبعاً نہیں ہے حالانکہ کمال تقویٰ کا دارومدار طبیعت پر ہے یعنی اگر طبعی نفرت نہیں ہے تو کسی نہ کسی وقت گناہ ہو ہی جاتا ہے اور طبعی نفرت کے ہوتے ہوئے گناہ کا ہونا بہت مستبعد ہے (۲) اور یہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ دارومدار سزا کا صرف طبیعت پر نہیں رکھا، اس کا طبیعت پر مدار ہوتا اس طرح سے کہ اگر شر سے طبعی نفرت ہو تو مسلمان ہے ورنہ کافر ہے تو سخت دقت ہوتی اور بہت کم مسلمان نکلتے یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس کا مدار عقل پر رکھا۔ چنانچہ ایسے امور میں جس موقع پر عقل اور طبع میں تعارض ہوتا ہے عقل کو ترجیح ہوتی ہے پس اگر کسی کو گناہ سے عقلی و اعتقادی نفرت ہو اور طبعی نہ ہو تو وہ مسلمان ہے گو کمال تقویٰ کے بیشک منافی ہو۔ (۳)

ترجیح عقل

اس مضمون میں بعضے غیر محقق واعظ ایسی چھری پھیرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور آیت پڑھ دیتے ہیں ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ (۴)

(۱) تفریط یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے بالکل غم نہ ہونا اور اس سے توبہ کی فکر نہ ہونا (۲) اگر طبعی نفرت ہوگی تو گناہ کا ارتکاب نہیں ہوگا (۳) اگرچہ کمال تقویٰ کے خلاف ہو (۴) نساء: ۱۴۲۔

یہ آیت منافقین کی شکایت میں ہے کہ جب وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کاہل ہوتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کسل اعتقادی اور شے ہے اور کسل طبعی جدا۔(۱) منافقین میں کسل اعتقادی تھا۔ یعنی ان کو نماز کے فرض نہ سمجھنے کے سبب کسل تھا اور مسلمانوں میں کسل طبعی ہے فرض ہونے میں تردد نہیں اس کو دوسرے عنوان سے سمجھئے کہ بعض مرتبہ لازم اعم ہوتا ہے اس کا تعلق ملزومات متعدہ سے ہوتا ہے۔ کسل (۲) ایک لازم ہے۔ منافقین میں اس کا ملزوم اعتقاد کی سستی ہے اور مسلمانوں میں طبعی ہے۔ مسلمان کیسا ہی ضعیف الایمان ہے اس کو کسل اعتقادی کبھی نہ ہوگا تو یہاں مطلق کسل مراد نہیں ہے لیکن ہمارے واعظین سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیتے ہیں اور اسی طرح بعض واعظین کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ رزق کا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾(۳) ''اور کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو'' تو پھر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔ سو یاد رکھو کہ یہ الزام بھی محض غلط ہے، کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں ہے ضرور سب کا ایمان ہے اور باوجود ایمان ہونے کے پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں ایک مبہم اور ایک معین۔ اللہ تعالیٰ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے ملے گے اور کس طریق سے ملے گا اور کتنا ملے گا تو پریشانی بوجہ ابہام کے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدے پر پورا یقین ہے کہ وقت مقدر پر ضرور ملے گا۔ بعض واعظین اسی الزام کے مؤکد کرنے کے لئے مثال دیا کرتے ہیں کہ

(۱) اعتقادی سستی اور ہے طبعی سستی اور ہے (۲) سستی ایک لازمہ ہے (۳) ھود:۶۔

اگر کوئی دوست دعوت کردے تو اطمینان ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں! یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے(۱) اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے، واللہ العظیم اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز کسی کو بھی پریشانی نہ ہوتی اور اگر دعوت میں وقت معین نہ کیا جاوے مبہماً کہہ دیا جاوے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔ جتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا اس پر ایمان ہے۔ شریعت میں غلو نہ کرنا چاہیے جس قدر جو بات ثابت ہو اس پر رہنا چاہیے، اہل کتاب کو ارشاد ہے ﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ﴾ یعنی اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو باوجود ان کے غیر مکلّف بالفروع(۲) ہونے کے ان کو خطاب کیا گیا تو ہم بطریق اولیٰ اس مامور بہ کے مکلّف ہوں گے اور لیجئے کئی روز ہوئے ایک دوست نے پوچھا تھا کہ حق تعالیٰ نے کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ﴾ ''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی، اور پھر ہم جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا لیتے ہیں تو پھر اپنی حالت پر آجاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو ہم پہنچی تھی اس کو مٹانے کے لئے ہم کو انکار بھی نہ تھا''

تو یہی حالت بعینہٖ مسلمانوں کی ہے کہ جب کوئی مصیبت ہوتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں اور جب وہ مصیبت جاتی رہتی ہے پھر غفلت میں پڑجاتے ہیں تو کیا مسلمان بھی اس آیت میں داخل ہیں؟ اگر داخل ہیں تو مفسرین الانسان کی تفسیر کفار کے ساتھ کیوں کرتے ہیں۔ میں نے اس کا یہی جواب دیا کہ مسلمان کے اندر اس کا منشاء اور ہے کافر کے اندر اور۔ کافرین کا منشاء تو اس اعراض اور غفلت کا

(۱) اس مثال پر قیاس کرنا ہی غلط ہے (۲) باوجودیکہ وہ فروعی احکام کے پابند نہیں۔

انکار اور کفر ہے اور مسلمین کا طبیعت ہے، اگرچہ ہے یہ بھی کمی اور قابل اصلاح ہے لیکن کلام اس میں ہے کہ اس غفلت سے کفر لازم نہیں آتا۔ غرض احکام عقلیہ اور طبعیہ میں جب تعارض ہوگا تو جزائے شرعی میں ترجیح عقل کو ہوگی اس لئے اشتراک حالت سے جو آیتیں منافقین و کفار کے بارے میں ہیں وہ مسلمانوں پر جاری نہ کی جاویں گی اور اس سے کفر و نفاق کا حکم نہ کیا جائے گا۔

جزا میں تشبہ

لیکن یہ معاملہ تفریط کا چونکہ بیسا کی کی صورت ہے گو حقیقت نہیں اور اس میں کفار کے ساتھ تشبہ ہے کہ جو وہ کرتے ہیں وہی ہم بھی کرتے ہیں اس لئے اس تشبہ کی وجہ سے جزا میں بھی تشبہ اختیار کیا گیا ہے کہ مومنین بھی جہنم میں جاویں گے لیکن چونکہ مشبہ و مشبہ بہ میں بہت فرق ہے(۱) اس لئے ایسا عذاب نہ ہوگا جیسا کہ کفار کو۔ مگر یہ سن کر مسلمان جری(۲) نہ ہو جائیں اس لئے کہ وہ خفیف(۳) عذاب بھی فی نفسہ نہایت سخت اور ناقابل برداشت ہوگا۔ پس عذاب کامل تو واقع میں کفار ہی کو ہوگا لیکن مومنین کو بھی بوجہ اس کے کہ انہوں نے کفار کے مثل جرائم کا ارتکاب کیا تھا ایک شائبہ(۴) عذاب کا اور نمونہ سزا کا چکھایا جاوے گا۔ اسی واسطے جہنم کی صفت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ﴾ یعنی جہنم کفار کے لئے تیار کی گئی ہے جیسے جیل خانہ کہ اصل میں تو بدمعاشوں اور باغیوں کے لئے ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ نیک چلن اور مطیع بھی کسی جرم کی وجہ سے اس میں رکھے جاتے ہیں۔ پس اس درجہ کو میں تفریط کہتا ہوں اور چونکہ اس کے متعلق اعتقاد

(۱) جس کو تشبیہ دی گئی ہے اور جس سے تشبیہ دی ہے دونوں میں بہت فرق ہے (۲) دلیر (۳) ہلکا عذاب بھی (۴) کچھ تھوڑا سا عذاب چکھا دیا جائے گا۔

ہے کہ یہ بری بات ہے اور اس سے بچنے کا اہتمام بھی کم وبیش ہے اس لئے اس وقت اس کے متعلق بھی بیان نہیں کیا جاتا اس وقت اس سے زیادہ اہم افراط کا درجہ ہے۔

رہزن طریق

اور اہمیت اس کی اس اعتبار سے ہے کہ اس کی طرف عوام تو عوام خواص اتقیا کا بھی ذہن منتقل نہیں ہوتا بلکہ میری یہ تقریر سن کر حیرت ہوگی کہ کیا گناہ سے متاثر مغموم ہونے میں بھی افراط (۱) ہوتا ہے لیکن سننے سے اس کی حقیقت معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ مسلمان کو گناہ ناگوار اور مکروہ وگراں معلوم ہوتا ہے، جس درجہ میں بھی ہو اور یہ ناگواری مقصود بھی ہے اس لئے ہونا بھی چاہیے لیکن ہر شے اپنی اصل ہی کے اعتبار سے مقصود ہوتی ہے اور جب وہ اثر اس پر مرتب نہ ہوگا تو وہ شے پھر مقصود نہ رہے گی۔ سو اس گرانی و ناگواری کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس گناہ کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہ اثر اس پر مرتب بھی ہوتا ہے لیکن بعض مرتبہ جب اس میں افراط ہوتا ہے اور زیادہ گرانی ہوتی ہے تو اس کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے اور شیطان ایک نئی بات اس میں نکالتا ہے اس لئے کہ اس کی رہزنی کے طریقے مختلف ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ شیطان یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ گناہ جب اس قدر بری شے ہے تو اے شخص تو مردود ہوگیا اور اب تیری کوئی طاعت قبول نہیں اور زیادہ تر اس میں سالکین و ذاکرین اور جو لوگ اپنے قلب کا مطالعہ (۲) کرتے رہتے ہیں جو اللہ والے کہلاتے ہیں وہ اس میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں ایسے موقع پر شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　عمر بگذشت ونہ شد آگاہ عشق (۳)

(۱) ارتکاب گناہ پر غم ہونے میں بھی زیادتی سمجھی جائیگی (۲) دل کی نگرانی (۳) بغیر راہنما کے جو راہ عشق یعنی سلوک میں قدم رکھے گا عمر گذر جائیگی مگر عشق کے اسرار و رموز سے واقف نہ ہو سکے گا۔

مولانا فرماتے ہیں:

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو(۱)

اگر شیخ کامل رہبر نہ ہو تو یہ بڑی مضر غلطی ہے (۲) اور سالکین سے جو غلطی ہوتی ہے وہ بڑی ہی سخت غلطی ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ گناہوں سے ڈرتے ہو اور ہم کفر سے ڈرتے ہیں جس قدر کوئی شے عمدہ ہوگی وہ اگر خراب بھی ہوگی تو بہت زیادہ خراب بھی ہوگی، کھانا جس قدر زیادہ لطیف ہوگا وہی زیادہ سڑے گا۔ دیکھو یونانی دواؤں میں اگر غلطی ہوگی کہ بجائے گل بنفشہ کے کاسنی لکھی گئی تو وہ اس قدر سخت نہیں ہے اور نیز تدارک اس کا ہوسکتا ہے لیکن اگر کسی دوا کے روح اور جوہر کے استعمال میں غلطی ہو کہ بجائے ایک جوہر وروح دوسرا جوہر وروح استعمال کرلیا جاوے گا تو ہلاک ہی ہوجائے گا۔ چنانچہ ان سالکین کی یہ غلطی مذکور چونکہ برنگ طاعت ہے اس لئے سخت غلطی ہے اور اسی غلطی کا منشاء ان کی خودرائی ہوتی ہے اور یہ خودرائی ہی اس راستہ کا رہزن ہے بس بدست شیخ ہوکر خودرائی چھوڑ دے۔ شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو فرماتے ہیں:

اگر مرد عشقے گم خویش گیر وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

یہاں لکھنے پڑھنے سے کام نہیں چلتا اس کے بھروسہ نہ رہنا چاہیے کہ ہم تو عالم ہیں۔ یہاں تو اس علم رسمی (۳) کے بھلانے کی ضرورت ہے یہ مطلب نہیں کہ علم دین کو بھلادے بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم کی وجہ سے جو ناز اور فخر دماغ میں ہے اس کو نکالنا منظور ہے یہاں دوسرے لکھنے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ مولانا نیاز اسی معنی میں فرماتے ہیں جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلادیا اور اس

(۱) اس راہ میں قدم رکھنے کے لئے ایک بڑے راہبر کی ضرورت ہے تنہا نہ جائے اس صحرا میں بغیر راہنما کے قدم نہ رکھو (۲) بہت پریشان کن غلطی ہے (۳) کتابی علم۔

دوسرے پڑھنے لکھنے کی نسبت حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدرشوی(۱)

اور خودرائی کے متعلق فرماتے ہیں:

فکر خود رائی عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی خودرائی(۲)

چنانچہ یہاں خودرائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے یہ دل میں ڈالا کہ اسی گناہ کی وجہ سے تو اتنا مردود بارگاہ ہوگیا ہے کہ تیری کوئی طاعت مقبول نہیں ہے۔

تجاوز عن الحدود

اور پھر اس سے کبھی تھوڑا یاس (۳) ہوکر دل شکستگی اور عبادت میں بددلی ہوجاتی ہے اور یہ بھی مضر ہے کیونکہ اس سے قلب کا ضعف بڑھ جاتا ہے اور عبادت بے حد ثقیل ہوکر احتمال متروک ہونے کا ہوجاتا ہے اور کبھی زیادہ یاس ہوکر محض معطل (۴) ہوجاتا ہے اور کبھی یہ یاس حال سے متجاوز ہوکر درجہ اعتقاد میں پہنچ کر کفر ہوجاتا ہے اور یہ کتنا خسارۂ عظیم ہے۔ حالانکہ یہ سمجھنا کہ تیری مردودیت اسی درجہ پر پہنچ گئی کہ کوئی طاعت قبول نہیں، یہ سمجھنا ہی خود خلاف شریعت اور غلط ہے اور یہ بہت برا خیال ہے اور یہ شخص اس کو اچھا سمجھتا ہے کہ میں گناہ سے بہت متاثر ہوا، اس کو علامت ایمان جانتا ہے کہ میرے نزدیک گناہ اتنا بھاری ہے اور ہم یوں کہتے ہیں:

بہرچہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں
بہرچہ از یار دور رفتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا(۵)

---

(۱) مکتب عشق میں حقائق عشق بیان کئے جاتے ہیں غور سے سنو کیونکہ ایک دن تم بھی باب بن جاؤ گے (۲) راہ سلوک میں خودرائی کی فکر چھوڑا کیونکہ اس راہ میں خودرائی اور خود بینی کفر کے مترادف ہے (۳) مایوس ہوکر دل ٹوٹ جائے گا (۴) بیکار (۵) جو بات محبوب کی طرف سے پیش آئے اس میں ایمان وکفر کے کیا معنی دوست کی طرف سے اگر دوری مطلوب ہو تو اس میں خوبصورتی اور بدصورتی کا کیا سوال۔

اور ہم یوں کہتے ہیں کہ اگر اسی کا نام ایمان ہے جس کے مضار(۱) اوپر مذکور ہوئے تو ﴿قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ﴾ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ خیر ہے تو یہ بظاہر خیر ہے لیکن اس کے اندر ایک شر عظیم مبطن (۲) ہے جیسے کوئی لڈو کے اندر زہر ملا کر کسی کو کھلا دے تو ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ لڈو مہلک ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ لڈو فی نفسہ مہلک ہے۔ مقصود یہ ہے کہ زہر جو اس کے اندر بھرا ہوا ہے وہ مہلک ہے اسی طرح گناہ کو بھاری سمجھنا بیشک ایمان کی بات ہے لیکن اس قدر بھاری سمجھنا جس پر مضار مذکورہ مترتب ہونے لگیں بیشک ممنوع عنہ و تعدی حدود شرعیہ (۳) ہوگا۔ بہرحال جس سے یہ شر پیدا ہوا وہ خیر ہی نہیں بلکہ شر ہی سے شر پیدا ہوا۔ پس اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ خیر سے شر کیونکر پیدا ہوا خیر سے کبھی شر نہیں ہوتا۔ گو ظاہراً متوہم ہو۔ (۴)

حدود خوف وشوق

سبحان اللہ جناب رسول اللہ ﷺ کیسے باریک بین ہیں بلکہ باریک بین حضور ﷺ و کہنا بھی بے ادبی معلوم ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے نزدیک سب کچھ بدیہی ہی تھا، کوئی معلوم باریک ہی نہ تھا اور وہ باریک بینی یہ ہے کہ دیکھئے خوف بہت اچھی شے ہے مگر حضور ﷺ نے اس میں بھی ایک حد لگائی ہے۔ فرماتے ہیں: (اَسْئَلُكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ)(۵) یعنی اے اللہ میں آپ کے خوف میں سے بس اس قدر مانگتا ہوں جس سے آپ اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہوجاوے یعنی گناہوں کو روک دے۔ سو حد اس لئے

(۱) نقصانات (۲) شر چھپا ہوا ہے (۳) منع ہے اور شرعی حدود سے تجاوز ہے (۴) اگرچہ ظاہری طور پر یہ وہم ہوتا ہے (۵) لم اجد الحدیث فی موسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف۔

لگائی کہ خوف سے بعض لوگ جسماً یا دنیاً ہلاک ہوگئے ہیں۔ ایک شخص کو کان پور میں، میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مایوس ہوکر قریب تھا کہ نماز روزہ ہی چھوڑ دے اور لیجئے دیکھئے شوق وذوق بہت محبوب ومطلوب چیز ہے مگر اس کی نسبت بھی ارشاد ہے:(واسئلك شوقا الى لقائك فى غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة)''یعنی اے اللہ مجھے ایسا شوق عطا ہو جس میں مصیبت، آزار دینے والی اور بلا، گمراہ کرنے والی نہ ہو'' یعنی شدت شوق کے بعض اوقات میں دو اثر ہوتے ہیں یا تو اہل شوق ہی پگھل جاتے ہیں نہ کھانے کے رہتے ہیں نہ سونے کے ہر وقت اسی طرف مشغول رہتے ہیں اور بیمار ہوکر بعض اوقات جان تک نوبت آجاتی ہے۔ من غير ضراء مضرة ''بلاآزار دینے والی ہے'' میں اس سے احتراز ہے اور یا یہ اثر ہے کہ گستاخ و بے ادب ہوکر گمراہی اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ولا فتنة مضلة ''بلاآزار دینے والی سے'' دنیا میں بھی اس دوسرے اثر کا نمونہ موجود ہے اگر کسی نوکر چاکر کو زیادہ منہ لگاؤ تو اگر وہ بھلا مانس ہے تو اس پر تو زیادہ عنایت کرنا اس کو مسخر کر لینا ہے اگر وہ پہلے ایک گھنٹہ خدمت کرتا ہوگا تو اب چار گھنٹہ کرے گا اور اس کے اندر خباثت ہے تو اور زیادہ منہ چڑھے گا۔ حتی کہ نوبت اس کی پہنچے گی کہ آقا اس کو نکال کر باہر کرے گا۔ غرض حضور ﷺ نے خشیت میں حد لگائی، شوق میں حد لگائی، اسی طرح معصیت کے استثقال (۱) کی بھی حد ہوگی۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی شے حد سے بڑھے گی ضرور خرابی ہوگی۔ اسی طرح گناہ کی نسبت یہ خیال کر لینا کہ یہ اتنا بڑا ہے کہ اب میری کوئی طاعت بھی قبول نہ ہوگی یہ افراط کا درجہ ہے۔

(۱) گناہ کو بھاری سمجھنے کی بھی ایک حد ہے۔

فساد اعتقاد

اور منشاء اس کا قیاس الغائب علی الشاہد ہے(۱) اس لئے کہ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ نوکر اگر کوئی بڑی خطا کرتا ہے تو آقا اس سے اس قدر خفا ہوتا ہے کہ پھر اس کی کوئی خدمت ہی مقبول نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ کو بھی اس شخص نے ایسا ہی سمجھا حالانکہ اسکا یہ خیال غلط ہے اللہ تعالیٰ واجب ہیں اور ہم ممکن۔(۲) ممکن اور واجب میں بڑا فرق ہے، ہماری اس حالت کی وجہ تو یہ ہے کہ غصہ میں ہم بے اختیار ہوجاتے ہیں اور دوسری طرف نظر بالکل نہیں رہتی اسی لیے مجرم کے حسنات(۳) ہمارے نزدیک کالعدم(۴) ہوجاتے ہیں اور حق تعالیٰ کا غضب اور عتاب ان کو بے اختیار نہیں بناتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم منفعل اور متاثر ہیں اور حق تعالیٰ فاعل اور مؤثر جو کچھ وہ کرتے ہیں اختیار سے کرتے ہیں پس ان کا یہاں کا قانون یہ ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ○﴾

''یعنی جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرا برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھے گا پس اگر کوئی شخص ایک طاعت کرے اور بعد اس کے پھر معصیت کرے اور پھر ایک طاعت کرے گا اور ایک معصیت۔ اسی طرح کرتا جائے تو ہر طاعت کا ثواب ملے گا اور ہر معصیت پر استحقاق عذاب ہوگا پس یہ سخت غلطی ہے کہ گناہ کے بعد یہ سمجھے کہ میں ایسا مردود ہوگیا کہ اب میری کوئی طاعت بھی قابل قبول نہیں اور درحقیقت منشاء اس کا کبر اور عجب ہے یہ اپنے کو بڑے رتبہ والا سمجھتا ہے کہ معصیت سے کم رتبہ ہوگیا اور وہ ضابطہ سے اپنی

(۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ غائب کو موجود پر قیاس کیا گیا (۲) مختار کل اور ہم مختار کل نہیں (۳) نیکیاں (۴) معدوم۔

نجات کی کوشش کرتا ہے اور اس کی نظر حق تعالیٰ کے لطف ورحم اور حمدیت پر نہیں ہے اور نیز یہ خیال بتلا رہا ہے کہ قبل گناہ کرنے کے وہ اپنے کو مقبول اور اپنی اطاعت کو قابل قبول سمجھتا تھا۔ جواب گناہ کے بعد نا قابل سمجھا حالانکہ فی الواقع کوئی بھی ہماری طاعت کسی وقت میں قابل قبول نہیں ہوتی۔ پس جیسا کہ پہلے سے طاعت کرتے تھے اب بھی ویسا ہی کرنا چاہیے ورنہ صریح کبر ہے۔ جو اصل ہے تمام امراض کی پس ایک خرابی تو اس غلطی میں یہ ہوئی جس کا ذکر ہوا جس کا حاصل فساد اعتقاد ہے اور غلو فی الدین ہے۔(۱)

استحضار معاصی کا اثر بد

اور ایک اثر اس کے علاوہ اس غلطی کا یہ ہوتا ہے کہ بعض تو نماز وروزہ ہی ترک کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم مردود ہو گئے۔ اب ہمارا روزہ نماز مردود ہے تو کیا فائدہ ہے ایسی نماز سے اور بعض پر یہ اثر ہوتا ہے کہ طاعت میں اس کو حلاوت (۲) نہیں آتی اور بعض اوقات اس کے استحضار کے سبب۔ (۳) اس لئے طاعت سے شرماتا ہے جیسا کہ کسی نے اسی مضمون کو اس طرح کہا ہے:

احب مناجات الحبیب باوجه ولکن لسان المذنبین کلیل

''محبوب کے ساتھ مناجات میں مشغول ہونا پسندیدہ ہے لیکن گناہگاروں کی زبان لڑکھڑاتی ہے''

کبھی شدت شرم کی وجہ سے یہ حالت ہوتی ہے کہ آدمی دعا نہیں کرتا جیسے غلبہ تفویض بھی دعا سے مانع ہوتا ہے اسی طرح استحضار معاصی بھی کبھی مانع ہو جاتا ہے (۴)۔ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے ذمہ قرض ہے میں نے کہا

(۱) جس کا نام اعتقاد کی غلطی اور دین میں غلو کرنا ہے (۲) عبادت میں مزہ نہیں آتا (۳) ارتکاب گناہ کو ہر وقت سوچتے رہنے کی وجہ سے (۴) گناہ کا ہر وقت سوچتے رہنا بھی توبہ سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

کہ دعا کرو کہنے لگے! جی میری زبان دعا کے قابل کہاں۔ میں نے کہا کہ تمہاری زبان الحمد اور قل ھواللہ پڑھنے کے بھی قابل نہیں اس لئے کہ جس زبان سے گناہ کرتے ہو وہ زبان اس قابل نہیں رہی کہ اس سے قرآن پڑھو۔ تو بس آج سے نماز بھی چھوڑ دو۔ تم بڑی خطرناک حالت میں ہو۔ آج شیطان نے دعا سے (جو ایک عبادت ہے) روکا ہے کل کو وہ نماز سے روک دے گا اللہ تعالیٰ نے عام خطاب فرمایا ہے: (اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ) ''تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا'' کسی کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمادیں کہ دعا قبول کروں گا، دعا کرو اور تم کہتے ہو کہ ہم اس قابل کہاں ہیں۔ یہ تو اچھا خاصا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔ بعض تواضع کے طور پر بھی کہا کرتے ہیں حالانکہ تواضع یہ نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو کہے کہ میں تو گدھا ہوں اور اسی غلطی مذکور کی فرع میں ایک اور غلطی بھی ہے اور اس سے سخت پریشانی ہوتی ہے اس وقت محقق کی قدر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض ذاکرین کو قبض واقع ہوتا ہے۔(۱) اگر اس وقت شیخ کامل دستگیری نہ کرے تو وہ اللہ کا نام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ اگرچہ فرض ونفل ترک نہ کرے لیکن ذکر شروع کرکے چھوڑ دینا بھی تو سخت نقصان کی بات ہے بالکل نہ کرنا ویسا نہیں۔ دیکھو اگر کسی کے ہاں بالکل نہ جاؤ تو شکایت نہیں ہے اور اگر ایک دو روز جا کر جانا چھوڑ دو تو سخت شکایت اور بُعد کا باعث ہوجائے گا، سو اگر ایسے وقت میں کسی محقق کامل کی دستگیری نہ ہو تو سخت غلطی میں مبتلا رہے اور تحقیق اس کے متعلق یہ ہے کہ مقصود حلاوت و لذت نہیں ہے بلکہ مقصود عمل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کا مکلّف نہیں بناتا مگر اس کی طبیعت اس کے طاقت اور اختیار میں ہو'' اور وسع میں عمل ہی ہے لذت نہیں۔

(۱) واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض کہلاتا ہے۔

لذت ہو یا نہ ہو، ہر حال میں طالب کی تو یہ شان ہونا چاہیئے۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم حاصل آید یا نہ آید آرزوئے میکنم

''اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو کرتا ہوں''

طالب کا مذہب

اور اس سے بڑھ کر مولانا فرماتے ہیں:

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے میں اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں''

اور شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خوشا وقت شوریدگان غمش وگر ریش بینند وگر مرہمش

''اس کے غم میں پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے خواہ اپنے زخموں پر نظر پڑے یا اس کے زخموں پر مرہم''

اور حافظ شیرازی ایسی ہی حالت کی نسبت فرماتے ہیں:

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

''درد وصاف یعنی قبض وبسط تجویز کرنے کا تم کو کچھ حق نہیں ہے جو کچھ عطا ہو جائے تربیت باطنی کے لئے مصلحت اور وہی عین الطاف ہے''۔

اور اس حالت میں ایک اور خرابی مضمر ہے وہ یہ ہے کہ جب عمل کر کے لذت وکیفیت نہ ہونے پر دلگیر ہوا تو گویا یہ شخص در پردہ خدائے تعالیٰ پر اپنا حق سمجھتا

ہے کہ یہ کام ہم کرتے ہیں اس پر یہ ثمرہ مرتب ہونا چاہیے اور مرتب نہ ہونے سے تکدر ہوتا ہے حالانکہ خدا پر کسی کا بھی حق نہیں ہے۔ اگر یہ مضمون پختہ کرلے کہ جو کچھ عنایت ہوتا ہے یہ اس کی عطا ہے ہم پر جو قیمت ہے اس کے ہم کسی درجہ میں بھی مستحق نہیں ہیں تو کبھی یہ حالت ہی پیش نہ آئے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تو بندگی چوگدایان بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

''تو بندگی فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط سے مت کر کہ آقائے حقیقی بندہ پروری کا طریقہ خود جانتے ہیں''

اور طالب کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے:

زندہ کنی عطائے تو ورکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں، دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں''

حضرت سرمد فرماتے ہیں:

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

''سرمد رحمۃ اللہ علیہ شکایت کو مختصر کرو اور دو کاموں میں سے ایک کام کرو یا تو تن کو محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کرو یا محبوب سے قطع نظر کردو''

یعنی وہ تو ایسے ہی خدا ہیں کہ تمہاری فرمائشیں پوری نہ کریں گے جو مصلحت اور حکمت ہوگی اس کے موافق کریں گے۔ اگر تم کو پسند ہو کوئی اور خدا ڈھونڈ لو اور غور تو کرو کہ تم تو اپنے نوکر کا کہا مانتے ہی نہیں حالانکہ وہ تمہاری ذاتیات

اور بہت سی عرضیات میں شریک ہے، مثلاً تم اپنے بیٹے کی شادی ربیع الاول میں تجویز کرو اور نوکر بلا ضرورت اتنا پوچھ لے کہ حضور یہ مہینہ آپ نے کیوں تجویز کیا ہے تو اس کے منہ پر ایک جوتہ مارو گے اور یہ کہو گے کہ تو ہماری تجویزوں میں دخل دینے والا کون ہوتا ہے پس اگر خدائے تعالیٰ اپنی مصلحتیں اور حکمتیں تم کو بتلا دیں تو وہ اس کے زیادہ احق ہیں پس یاد رکھو حلاوت اور مزہ کوئی شے مطلوب نہیں ہے، اصل شئے بندگی اور غلامی ہے ہاں اگر وہ بھی عطا ہو جائے تو ایک نعمت ہے اور محمود ہے لیکن محمود ہونا دوسری شے ہے اور مقصود ہونا اور شئے۔ (۱) اگر تم حلاوت اور لذت کے طالب ہو تو تم اللہ کے طالب نہیں ہو بلکہ نفس کی خواہش کے طالب ہوئے۔ اللہ کے طالب تو بجز ایک ذات کے کوئی شے مطلوب نہیں وہ کسی حالت میں رکھیں، ہر حالت میں راضی رہتا ہے نہ اس کی کوئی مصلحت ہوتی ہے نہ اس کی کوئی غرض درمیان میں رہتی ہے بس اس کی مصلحت تو صرف یہ ہے کہ:

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار بگذارند وخم طرہ یاری گیرند

طالب حلاوت مدعی کاذب (۲) ہے اب حق نہیں ہے جو طالب ہیں ان کے نزدیک تو جیسے ناسوت غیر مقصود بے قدر شئے ہے ایسے ہی ملکوت (۳) بھی۔ الحاصل محض اس وجہ سے عمل چھوڑ دینا کہ حلاوت نہیں مزہ نہیں ہے سخت غلطی ہے۔

محققین کے علوم

کبھی اس سے بھی سخت تر ضرر (۴) اس غلطی کا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

(۱) محمود ہونا اور چیز ہے اور مقصود ہونا دوسری چیز ہے (۲) لذت کا طلبگار جھوٹا دعویدار ہے (۳) یہ تصوف کی دو اصطلاحیں ہیں عالم ارواح اور عالم مثالی کو ملکوت اور عالم اجسام کو ناسوت کہتے ہیں (۴) نقصان۔

جب یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل مردود ہوگیا ہوں اور میری اطاعت قابل قبول نہیں ہے تو ساتھ ہی اس کے شیطان یہ بھی وسوسہ ڈالتا ہے کہ پھر کیا ضرورت ہے کہ دوسرے گناہوں سے بچو۔ اس لئے کہ گناہوں سے بچنے کا مقصود تو عتاب سے بچنا تھا اور عتاب مجھ کو بوجہ مردودیت کے ضرور ہوگا۔ پھر مشقت و مصیبت سے کیا فائدہ؟ بس اس طور سے اس کو اور گناہوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے حالانکہ جس قدر بھی گناہوں سے بچتا رہتا، اچھا ہی تھا۔ اب یہ پہلے سے بھی بدتر ہوگیا۔ دیکھئے یہ حالت جس کو یہ بزرگی اور مقدس جانتا تھا کس قدر خرابیوں کی طرف مفضی (۱) ہوئے اور ہر قسم کی غلطیاں اس سے پیدا ہوئیں، عملی بھی اور علمی بھی اور یہ ساری خرابی جہل اور شیخ کامل کے نہ ہونے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محققین کو کہ انہوں نے قلب کے احوال کی تحقیق و تدقیق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ (۲) حقیقت میں ان حضرات کی تحقیقات کے سامنے فلسفہ کے علوم گرد ہیں۔ ان کے علوم تو صرف جواہر و اعراض خارجیہ تک محدود ہیں اور ان حضرات کے قلب کے احوال اور علم معاملہ کو پورے طور پر سمجھا ہے۔ فلاسفہ نے بھی کتاب الاخلاق لکھی ہے لیکن ان حضرات کی تحقیقات کو کہاں پہنچتی ہے۔ شیخ بوعلی سینا کے وقت میں ایک بزرگ تھے شیخ کے بارے میں کسی نے ان سے پوچھا کہ کیسا شخص ہے؟ فرمایا: بوعلی اخلاق ندارد شیخ نے جب سنا کہ میرے متعلق ایسا کہا گیا ہے شیخ نے اخلاق میں ایک ضخیم کتاب تصنیف کر کے بھیج دی۔ ان بزرگ نے ایک جملہ میں اس کو رد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ من گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد کے گفتہ بودم کہ اخلاق نداند۔ نداند اور چیز ہے (۳)۔ حقیقت میں بغیر تزکیہ وتصفیہ قلب (۴) کے عقل بھی درست نہیں ہوتی۔ شیخ

(۱) پہنچانے والی (۲) دل کے احوال بیان کرنے میں کوئی بات چھوڑی نہیں (۳) میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کو اخلاق کا علم نہیں ہے میں نے کہا تھا اس میں اخلاق ہیں نہیں اخلاق کا علم ہونا اور چیز ہے اور بندے ہیں اخلاق ہونا یعنی ان کا درست ہونا اور بات ہے (۴) بغیر پاکیزگی وصفائی دل کے عقل بھی درست نہیں ہوتی۔

باوجود اس کے کہ اتنا بڑا عاقل تھا مگر ایک موٹی بات نہیں سمجھا۔

تدبیر ترک معاصی

اسی طرح گناہ کا اس قدر اثر لینا کہ جب یہ چھوٹ جاوے گا اس وقت دوسرے گناہ چھوڑوں گا اور یہ چھوٹے گا تو اس کو چھوڑوں گا۔ اسی طرح طاعت کے کرنے کے لئے گناہوں کے چھوٹنے کا انتظار مت کرو تم تو طاعت کا موقوف علیہ ترک معاصی کو سمجھتے ہو حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ معاصی جب ہی چھوٹیں گے جب طاعت کا غلبہ ہوگا، بہت لوگ خدا کی راہ میں اس لئے نہیں آتے کہ کہتے ہیں کہ ہم تو گنہگار ہیں کہ کس منہ سے اللہ کا نام لیں حالانکہ ان گناہوں کے چھوٹنے کا اگر کوئی طریقہ ہے تو یہی ہے کہ اللہ کا نام لینا شروع کردو، جس قدر طاعت ہو سکے کرو، گو دوام بھی نہ ہو، گاہ گاہ ہوجایا کرے[1] ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ بھی ایک دوام ہے کہ کبھی ہوا گرچہ دوام ناقص ہی سہی سبحان اللہ کیا دلجوئی ان حضرات میں تھی۔

حسن تربیت

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں من جملہ دیگر کمالات کے یہ بھی ایک خاص بات دیکھی کہ جیسی حسن تربیت خاص حضرت اور حضرت کے لوگوں میں تھی ساری دنیا میں نہیں دیکھی، مشائخ اطراف کی جانب بھی میں نے رجوع کر کے دیکھا ہے لیکن سوائے وظیفوں اور تسبیح گھوٹنے کے کچھ نہ پایا اور ان حضرات کے یہاں ظاہر میں چند باتیں اور مختصر جملے ہیں مگر ان باتوں کی قدر وہ جانتا ہے جو کسی بلا میں مبتلا ہو۔ میں خود اپنا قصہ بیان کرتا ہوں۔ کہ مجھ کو وساوس کا غلبہ ہوا اور

(۱) اگرچہ ہمیشہ نہ ہو کبھی کبھی ہو۔

ایک سخت حالت واقع ہوئی۔ حضرت مولانا گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، فرمایا: کہ اس کا علاج یہ ہے کہ التفات نہ کرو(۱)، ظاہر میں تو ایک مختصر سی بات ہے لیکن اس کا نفع اس سے پوچھئے جو اس مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہو۔ اگر کسی اور بزرگ سے رجوع کیا جاتا تو کوئی وظیفہ بتلا دیتے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں وساوس کے لئے تعوذ(۲) آیا ہے اور یہ وظیفہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اعوذ بھی دافع وساوس اسی واسطے ہے کہ نفس کو ذکر کی طرف التفات ہوگا اور اس طرف سے توجہ ہٹ جاوے گی۔ چنانچہ اس حدیث میں بھی (فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰه) ''پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ'' کے بعد (وَلْيَنْتَهِ) آیا ہے اور حضرت کے فرمانے کا حاصل بھی یہی ہے۔ خطرات ووساوس کی مثال تار بجلی کی سی ہے کہ ذرا ہاتھ لگاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ایسے ہی وساوس ہیں کہ مستقلاً دفع کرنے سے یہ رفع نہیں ہوتے اور نہ وظیفہ پڑھنے سے دفع ہوں گے۔ ان کا علاج بس یہی ہے کہ ان کی کچھ پروانہ کرے۔ اس طرح خود ہی چھوٹ جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ ان حضرات اور ان کے اقوال کی قدر اسی وقت ہوتی ہے جب کسی بلا میں مبتلا ہو ورنہ ظاہر بینوں کے نزدیک یہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور ان کی نظر میں قدر ہوتی ہے نئی بات کی۔ مثلاً کوئی چلہ بتلا دیں یا ٹانگیں اوپر سر نیچے کر کے کوئی وظیفہ پڑھوائیں۔ ایک شیخ مجھ سے کہنے لگے کہ اسماء عظام کی اجازت(۳) دے دو۔ میں نے کہا جناب ہم نے سیکھے ہی نہیں، میں نے ایک دوست کے سوالات کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے اس میں میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ لکھ دیا ہے اس کو اس حیثیت سے نہ دیکھئے کہ میرا لکھا ہے۔ بلکہ اس حیثیت

(۱) اسکی طرف توجہ نہ کرو (۲) اعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم پڑھنے کا حکم ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کی اجازت دیدو۔

سے ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے مضامین ایک مجدد فن یعنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔ مغز اور خلاصہ اس کا مولانا کا یہ شعر ہے۔

اندریں رہ می تراش ومی خراش تادم آخر دم فارغ مباش
تادمے آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

''اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بے کار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی''

کسی منشی کا انتظار مت کرو، بس کام شروع کردو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے جس قدر ہو سکے، لو لگائے رکھو، اگر چلتے رہو گے تو انشاء اللہ ایک دن منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ ایک بالشت زمین اگر کوئی روزانہ کھودے۔ تو ایک نہ ایک دن پانی ضرور نکل آوے گا۔

دفع ہجوم گناہ

الحاصل گناہ کے اندر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں مجھ کو ان آیتوں سے بھی مضمون مستنبط کرنا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ﴾ ''یقیناً تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم بالمقابل ہوئیں'' شان نزول ان آیتوں کا یہ ہوا تھا کہ واقعہ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک غلطی اجتہادی ہوئی تھی لیکن یہ غلطی ایسی تھی کہ ہزار صوابوں (۱) سے بڑھ کر تھی۔

(۱) ہزار نیک باتوں سے بڑھ کر تھی۔

خون شہیداں از آب حیات اولیٰ تراست ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست

''شہیدوں کا خون آب حیات سے افضل ہے یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے''

واقعہ یہ تھا کہ حضور ﷺ نے ایک مورچہ پر پچاس آدمیوں کو بٹھلا کر یہ فرمادیا تھا کہ خواہ ہم کو فتح ہو یا شکست تم لوگ یہاں سے نہ ہلنا۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان غالب آئے اور مال غنیمت لوٹنے لگے، اب ان پچاس آدمیوں میں اختلاف ہوا ایک فریق کی رائے ہوئی کہ ہم کو بھی غنیمت میں شریک ہونا چاہیے اور حضور ﷺ کا مقصود اس مورچہ کی حفاظت فتح ہی تک تھی۔ دوسرے فریق نے اسی رائے کے خلاف کیا، آخر کار کچھ ان میں سے چلے گئے۔ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ جب مورچہ خالی پایا تو وہ مع ایک جمعیت کے اس طرف کو آگئے اور مسلمانوں کو ہزیمت (۱) اٹھانی پڑی۔ یہ ہے وہ غلطی جو حضرات صحابہ سے ہوئی لیکن یہ بالکل بدیہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیادار تو تھے نہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا کے واسطے حکم نبوی ﷺ کو ترک کردیا بلکہ وجہ اس کی صرف اجتہاد میں غلطی اور کفار کی ہزیمت سے ایک نشاط (۲) ہے کہ جس سے شوق پیدا ہوا، غنائم کے جمع کرنے کے اجر حاصل کرنے (۳) کا ورنہ غنائم تو ان کو قانونا یوں ہی ملتیں، اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں سے پہلے دور سے یہ قصہ بیان فرمایا ہے اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنبیہ بھی فرمائی ہے اور کہیں کہیں دلجوئی بھی ہے ایک عجیب اور نرالے طرز سے صحابہ کی تربیت ہے چونکہ صحابہ کو اپنے اس فعل صادر ہونے پر سخت رنج تھا۔ گو خطا اجتہادی ہی تھی لیکن بمقتضائے مقربان رابیش بود حیرانی (۴)۔ صحابہؓ اس خطا کے بعد چین سے کیسے بیٹھ سکتے تھے اس لئے

(۱) شکست (۲) کفار کی شکست سے خوشی (۳) مال غنیمت کو جمع کرنا بھی ثواب کا باعث ہے (۴) مقربان بارگاہ الٰہی کو زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر دلجوئی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ حقیقتاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے زیادہ تسلی دینے والا کوئی مضمون نہیں ہوسکتا۔ ترجمہ یہ ہے کہ جس دن دو جماعتیں (مسلمان وکافر) آپس میں ملی ہیں اس دن تم کو جو مصیبت پہنچی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہنچی ہے آگے اور بہت حکمتیں ارشاد ہیں، کہنے کی بات تو نہیں تھی لیکن چونکہ نافع ہے اس لئے کہتا ہوں تاکہ بعض سالکین کی جو یہ حالت پیش آتی ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے تو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ ہائے ہم سے یہ کیوں ہوا اور اسی غم میں اپنا شب وروز صرف کرتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ پسندیدہ نہیں بس نادم ہوکر اس سے توبہ کرکے دل کو خالی کرلے۔ اگر یہ اس مطالعہ (۱) میں رہا تو خدائے تعالیٰ کا مطالعہ کب کرے گا اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی یہ بھی رحمت ہے کہ گناہ بعد توبہ کے اس قدر ہجوم کے ساتھ یاد نہ آئیں ورنہ سخت مصیبت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سخت مجاہدہ ہے کہ گناہ یاد آویں اور اس سے انقباض بھی ہو (۲) اور پھر بھی طاعت میں مشغول رہے۔ پس علاج اس کا یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرکے پھر اس کی طرف التفات نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس واسطے یہ دعا آئی ہے: (رَبِّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ) مگر (وَمَا عَلِمْتُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ) (۳) نہ فرمایا تاکہ گناہوں کی فہرست مستحضر نہ کرنا پڑے کہ اس میں مشغول ہونا تشاغل عن الحق ہے (۴) پس شان طالب کی یہ ہے کہ گناہ گو یاد آویں مگر اپنے کام کو خراب نہ

(۱) اسی سوچ بچار (۲) دل میں گھٹن بھی ہو (۳) یا اللہ بخش دے جو کچھ پہلے کیا میں نے اور جو کچھ بعد میں کیا اور جو کچھ پوشیدہ کیا اور جو کچھ اعلانیہ کیا اور جو کچھ تو اسے زیادہ جانتا ہے مجھ سے (سنن دارمی: ۴۰۵)
(۴) حق کی طرف سے منہ موڑنا ہے۔

کرے اور خدا کے سوا کسی چیز کو بھی گو وہ گناہ ہی کی یاد ہو دل میں جگہ نہ دے اور یہ حال ہو جیسا کہ کسی کا شعر ہے:

بے حجابانہ درآ اندرو کاشانہ ما کہ کسے نیست بجز درد تو درخانہ ما(۱)

اور یہ وہ امور ہیں جو کتب درسیہ سے حاصل نہیں ہوتے جس شخص کو اس پر ناز ہو اس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں:

جملہ اوراق و کتب در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن(۲)

طرز تربیت قرآن مجید

اور علاج یہ نہیں کہ ان خطرات کے دفع کرنے میں مشغول ہو۔ ایک کو دفع کرے گا دوسرا آوے گا۔ اسی طرح سلسلہ اس کا ختم نہ ہوگا۔ بس طریقہ اس کے دفع کا ہے تو یہ ہے کہ اپنے کام میں مشغول ہو اور اس طرف التفات ہی نہ کرے۔ ایک ہمارے مخدوم نے ایک اس کی بہت اچھی مثال دی کہ اگر چوہے مکان کے اندر بہت ستاتے ہوں تو اگر یہ تدبیر کی کہ سوراخ بند کردے تو وہ اور سوراخ کر کے آجاویں گے ایک کو دفع کرے گا دوسرا آجاوے گا۔ علاج یہ ہے کہ روشنی سے بھاگ جاویں گے۔ پس یہاں بھی ذکر کر کے نور سے سب خطرات دفع ہو جاویں گے۔ حاصل بیان کا یہ ہے کہ گناہوں کے غم میں مبتلا ہو جانا بعض اوقات بجائے نافع ہونے کے ضار ہو جاتا(۳) ہے اس میں مبالغہ نہ کرے ہاں ضروری توبہ کر کے کام میں لگ جاوے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ بعد توبہ سے بھی

(۱) بلا روک ٹوک میرے گھر میں داخل ہو جا کیونکہ تیرے سوا کسی کو میرے گھر میں آنے کی اجازت نہیں (۲) تمام کتابوں کو آگ میں جھونکو نور حق سے اپنے سینہ کو گلزار بناؤ (۳) نقصان دہ ہو جاتا ہے۔

اس غم میں مبتلا تھے اور یہ کسی وقت میں مضر ہوتا حق تعالیٰ نے ان آیات میں اور ان کے سیاق وسباق میں اس غم کو خفیف فرمایا۔ چنانچہ ایک تسلی اوپر فرمائی: ﴿فَاَصَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا.... الآية﴾ ''پس اللہ تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بہ سبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو'' اور اس تقریر پر ''لا'' کو زائد لکھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ مطلب صاف ہے کہ ہم نے تم کو غم اس لئے دیا تھا کہ اس کو پاداش سمجھ کر تمہارا حزن (۱) ہلکا ہوجاوے کیونکہ مطیع (۲) کے لئے یہ بھی ایک موت ہے کہ اس کی خطا پر سزا نہ ہو وہ اس سے کچھ ہلکا ہوجاتا ہے کچھ سزا بھی دے دی جاوے۔ دوسری تسلی اس آیت میں فرمائی: ﴿لقد عفا اللّٰه عنهم﴾ ''اللہ تعالیٰ نے انکو معاف فرمادیا'' تیسری تسلی بعد میں فرمائی ﴿فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''پس اللہ کے حکم سے'' اور اگر غور کیا جاوے ان آیات میں تو اور بھی وجوہ تسلی کے متعدد ہیں۔ مثلاً ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجی'' اور مثلاً ﴿اِسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ ''ان کو شیطان نے لغزش دے دی بہ سبب ان کے بعض اعمال کے'' اور مثلاً ﴿قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا﴾ ''اسی طرح تم مبتلا ہوئے'' اور مثلاً ﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''تاکہ ایمان والے جان لیں'' بس مقصود تو بیان سے یہ تھا اور ﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ﴾ ''ان کو لغزش دے دی'' سے ایک یہ فائدہ بھی ماخوذ ہوا کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب ہوجاتا ہے اس لئے جو گناہ چھوٹ جائے چھوڑ دو اس سے کچھ گناہوں کا سلسلہ تو کم ہوگا اس کا انتظار نہ کرو کہ سب ہی چھوٹیں تو چھوڑوں۔ سبحان اللہ قرآن مجید کی کیا تربیت ہے۔ اب دعاء فرمایئے حق تعالیٰ فہم وتوفیق دے۔ آمین۔

(۱) غم (۲) فرمانبردار کے لئے۔

خلیل احمد تھانوی

۳ جمادی الاول ۱۴۳۶ھ